کشمیر ایجی ٹیشن ۱۹۳۸ء کے متعلق چند خیالات

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ۔ ھُوَالنَّاصِرُ

کشمیر ایجی ٹیشن ۱۹۳۸ء کے متعلق چند خیالات

اصلاحاتِ کشمیر سے جو میرا تعلق رہا ہے اس کے بعد یاد کرانے کی مجھے ضرورت نہیں ۔ اس جدوجہد میں جو خدمت کرنے کی مجھے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اس کے بیان کرنے کی بھی میں ضرورت محسوس نہیں کرتا کیونکہ میرے نزدیک وہ بنیاد جو صرف ماضی پر رکھی جاتی ہے اس قدر مضبوط نہیں ہوتی جس قدر وہ جو حال میں اپنی صداقت کا ثبوت رکھتی ہے اس لئے میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے فلاں وقت کوئی کام کیا تھا' اس لئے میری بات سنو بلکہ اہلِ کشمیر سے صرف یہ کہتا ہوں کہ مَیں اب جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر غور کریں اور اگر اس میں سے کوئی بات آپ کو مفید نظر آئے تو اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں ۔

جب میں نے کام شروع کیا تھا اس وقت کشمیر ایجی ٹیشن گو بظاہر فرقہ وارانہ تھا مگر جو مطالبات پیش کئے جاتے تھے وہ فرقہ وارانہ نہ تھے ۔ زمینوں کی واگذاری کا فائدہ صرف مسلمانوں کو نہ پہنچتا تھا، نہ پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی کا تعلق صرف مسلمانوں سے تھا' نہ حکومت کے مشوروں میں شراکت میں مسلمانوں کو کوئی خاص فائدہ تھا ۔ ملازمتوں کا سوال ایک ایسا سوال تھا جس میں مسلمانوں کے لئے کچھ زائد حقوق کا مطالبہ کیا گیا تھا لیکن ۸۰، ۹۰ فی صدی آبادی کے لئے اس کے گم گشتہ حقوق میں سے صرف مشورے سے حق کا مطالبہ فرقہ وارانہ مطالبہ نہیں کہلا سکتا ۔

اس تحریک کا نتیجہ کم نکلا یا زیادہ مگر بہرحال کچھ نہ کچھ نکلا ضرور اور کشمیر کے لوگ جو سب ریاستوں کے باشندوں میں سے کمزور سمجھے جاتے تھے اس ادنیٰ مقام سے ترقی کر کے ایک ایسے مقام پر کھڑے ہو گئے کہ اب وہ دوسری ریاستوں کے باشندوں کے سامنے شرمندہ نہیں ہو سکتے ۔

میں نے جو کچھ اسلام سے سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا ہر ایک سمجھوتہ سچائی پر مبنی ہونا چاہئے ۔

یہ نہیں کہ ہم ظاہر میں کچھ کہیں اور باطن میں کچھ ارادہ کریں۔ ایسے ارادوں میں جن میں سچائی پر بناء نہیں ہوتی کبھی حقیقی کامیابی نہیں ہوتی اور کم سے کم یہ نقص ضرور ہوتا ہے کہ آنے والی نسلیں خود اپنے باپ دادوں کو گالیاں دیتی ہیں اور وہ تاریخ میں عزت کے ساتھ یاد نہیں کئے جاتے۔ پس میرے نزدیک کسی سمجھوتے سے پہلے ایسے سب امور کا جو اختلافی ہوں مناسب تصفیہ ہو جانا چاہئے تا بعد میں غلط فہمی اور غلط فہمی سے اختلاف اور جھگڑا پیدا نہ ہو۔

اس اصل کے ماتحت جب میں نے اس تحریک کا مطالعہ کیا تو مجھے اخباری بیانات سے کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا مسلم وغیر مسلم کے سیاسی سمجھوتے کی مشکلات کو پوری طرح سمجھ لیا گیا ہے یا نہیں اور مسلم وغیر مسلم کے حقوق کے متعلق جو شکایات ہیں ان کو دور کرنے کی تدبیر کر لی گئی ہے یا نہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قوموں کی جدوجہد دو غرضوں میں سے ایک کیلئے ہوتی ہے یا تو اس لئے کہ اس قوم نے کوئی پیغام دنیا تک پہنچانا ہوتا ہے۔ اس صورت میں وہ عواقب ونتائج کو نہیں دیکھا کرتی، نقصان ہو یا فائدہ وہ اپنا کام کئے جاتی ہے۔ جیسے اسلام کے نزول کے وقت غریب اور امیر سب نے قربانی کی اور اس کی پرواہ نہیں کی کہ کسے نقصان ہوتا ہے یا کیا ہوتا ہے کیونکہ مادی نتیجہ مدنظر نہ تھا بلکہ پیغام الٰہی کو دنیا تک پہنچانا مدنظر تھا۔ اس پیغام کے پہنچ جانے سے ان کا مقصد حاصل ہو جاتا تھا، خواہ دنیا میں انہیں کچھ بھی نہ ملتا اور اس پیغام کے پہنچانے میں ناکامی کی صورت میں ان کو کوئی خوشی نہ تھی خواہ ساری دنیا کی حکومت ان کو مل جاتی۔ یا پھر قومی جدوجہد اس لئے ہوتی ہے کہ کوئی قوم بعض دنیوی تکلیفوں کو دور کرنا چاہتی ہے۔ وہ ہر قدم پر یہ دیکھنے پر مجبور ہوتی ہے کہ جن تکالیف کو دور کرنے کیلئے میں کھڑی ہوئی ہوں وہ اس جدوجہد سے دور ہو سکتی ہیں یا نہیں۔ اس کی ہر ایک قربانی ایک مادی فائدہ کے لئے ہوتی ہے اور وہ اس مادی فائدہ کے حصول کے لئے جدوجہد کرتی ہے۔ تمام سیاسی تحریکیں اس دوسری قسم کی جدوجہد سے تعلق رکھتی ہیں اور مادی فوائد کو ان میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جب یہ امر ظاہر ہو گیا تو ہمیں سوچنا چاہئے کہ کشمیر کی تحریک کوئی مذہبی تحریک ہے یا سیاسی۔ اگر سیاسی ہے تو ہمیں غور کرنا چاہئے کہ وہ کون سے فوائد ہیں جن کیلئے اہل کشمیر کوشاں ہیں اور خصوصاً مسلمان؟

اس سوال کا جواب میں سمجھتا ہوں ہر کشمیری یہ دے گا کہ اس کی جدوجہد صرف اس لئے ہے کہ اس کی بآرام اور خوش زندگی کا سامان کشمیر میں نہیں ہے۔ نہ اس کی تعلیم کا اچھا انتظام ہے، نہ

اس کی زمینوں کی ترقی کے لئے کوشش کی جاتی ہے، نہ اسے حُریّتِ ضمیر حاصل ہے، نہ اس کی اس آبادی کے اچھے گزارہ کیلئے کوئی صورت ہے جس کا گزارہ زمین پر نہیں بلکہ مزدوری اور صنعت وحرفت پر ہے اور نہ اس کی تجارتوں اور کارخانوں کی ترقی کے لئے ضرورت کے مطابق جدوجہد ہورہی ہے۔ نہ اسے اپنے حق کے مطابق سرکاری ملازمتوں میں حصہ دیا جارہا ہے اور ان لوگوں میں سے جن کے ذریعہ سے حکومت تاجروں، ٹھیکہ داروں وَغَیْرَ ھُمَا کو نفع پہنچایا کرتی ہے، اور نہ مجالسِ قانون ساز میں ان کی آواز کو سنا جاتا ہے۔ یہ مطالبات مسلمانانِ ریاستِ کشمیر وجموں کے ہیں اور یہی مطالبات قریباً ہر افتادہ قوم کے ہوتے ہیں۔

یہ امر ظاہر ہے کہ وہی سکیم مسلمانانِ کشمیر کے لئے مفید ہوسکتی ہے جو اوپر کی اغراض کو پورا کرے اور دوسری کوئی سکیم انہیں نفع نہیں دے سکتی۔ پس میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نیا اتحاد جو مسلمانوں کے ایک طبقہ کا بعض دوسری اقوام سے ہؤا ہے، کیا اس غرض کو پورا کرتا ہے؟

ہر ایک شخص جانتا ہے کہ مسلمانوں کو بہت بڑا نقصان ملازمتوں اور ٹھیکوں وغیرہ میں اور مجالسِ آئینی میں تناسب کے لحاظ سے حصہ نہ ملنے کی وجہ سے پہنچ رہا ہے اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ ان ملازمتوں پر سوائے چند ایک بڑے افسروں کے ریاست ہی کے باشندے قابض ہیں جو غیر مسلم اقوام سے تعلق رکھتے ہیں اور یہی حال ٹھیکوں کا ہے۔ وہ بھی اکثر مقام میں غیر مسلم اصحاب کے ہاتھوں میں ہے۔ اسی طرح مجالسِ آئینی میں بھی مسلمانوں کا حق زیادہ تر ریاست کشمیر کے غیر مسلم باشندوں کے ہاتھ میں ہی ہے۔ ان حالات میں لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان اقوام نے اپنے حاصل کردہ منافع مسلمانوں کے حق میں چھوڑ دینے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اگر نہیں تو یہ سمجھوتہ کس کام آئے گا۔ اگر اس تمام جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلنا ہے کہ مہاراجہ صاحب بہادر کے ہاتھ سے اختیار نکل کر رعایا کے پاس اس صورت میں آجاتے ہیں کہ نہایت قلیل اقلیت نے نصف یا نصف کے قریب نمائندگی پر قابض رہنا ہے اور اسی طرح ملازمتوں اور ٹھیکوں وغیرہ میں بھی اسے یہی حصہ ملنا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پندرہ فیصدی باشندے پچاس فی صدی آمد پر قابض رہیں اور پچاسی فی صدی باشندے بھی پچاس فیصدی آمد پر قابض رہیں۔ گویا ایک جماعت کے ہر فرد پر ۳⅓ فی صدی آمد خرچ ہو اور دوسری قوم کے ہر فرد پر ۱۷/۱۰ فی صدی آمد خرچ ہو یا دوسرے لفظوں میں ہمیشہ کیلئے چھ مسلمان اتنا حصہ لیں جتنا کہ ایک غیر مسلم حصہ لے۔ یہ تقسیم تو بالبداہت باطل ہے۔

اگر سمجھوتہ اس اصول پر نہیں بلکہ اس اصول پر ہے کہ ہر قوم اپنے افراد اور لیاقت کے مطابق حصہ لے خواہ مجالسِ آئین میں ہو، خواہ ملازمتوں میں، خواہ ٹھیکہ وغیرہ میں گو اقلیت کو اس کے حق سے استمالتِ قلب کے لئے کچھ زیادہ دے دیا جائے اور اس کے ساتھ یہ شرطیں ہوں کہ اقلیت کے مذہب، اس کی تہذیب اور تمدن کی ہمیشہ حفاظت کی جائے گی' تو یہ ایک جائز اور درست اور منصفانہ معاہدہ ہوگا۔ مگر جہاں تک میں نے اخبارات سے پڑھا ہے ایسا کوئی معاہدہ مسلمانانِ کشمیر اور دیگر اقوام میں نہیں ہوا اور نہ میں سمجھ سکا ہوں کہ موجودہ حالات میں وہ اقوام جو ملازمتوں اور ٹھیکوں اور دوسرے حقوق پر قابض ہیں وہ اس آسانی سے اپنے حاصل کردہ فوائد مسلمانوں کو واپس دینے کیلئے تیار ہو جائیں گی اور اگر ایسا نہیں کیا گیا تو لازماً یہ اتحاد بعد میں جا کر فسادات کے بڑھ جانے کا موجب ہوگا۔ اگر کوئی کامیابی ہوئی اور مسلمانوں نے اپنے حقوق کا مطالبہ کیا تو غیر مسلم اقوام کہیں گی کہ جدوجہد تو صرف اختیارات پبلک کے ہاتھ میں لانے کے لئے تھی سو وہ آ گئے ہیں کسی قوم کو خاص حق دینے کے متعلق تو تھی ہی نہیں۔ ہم بھی کشمیری تم بھی کشمیری ملازمت ہمارے پاس رہی تو کیا تمہارے پاس رہی تو کیا۔ جو لوگ عُہدوں پر ہیں وہ زیادہ لائق ہیں اس لئے قوم کا کوئی سوال نہیں اٹھانا چاہئے کہ اس میں ملک کا نقصان ہے اور اگر مسلمانوں کا زور چل گیا اور انہوں نے مسلمانوں کو ملازمتوں، ٹھیکوں وغیرہ میں زیادہ حصہ دینا شروع کیا تو دوسری اقوام کو رنج ہوگا اور وہ کہیں گی کہ پہلے ہم سے قربانی کروائی' اب ہمیں نقصان پہنچایا جا رہا ہے اور ایک دوسرے پر بدظنی اور بدگمانی شروع ہو جائے گی اور فتنہ بڑھے گا گھٹے گا نہیں اور اب تو صرف چند وزراء سے مقابلہ ہے پھر چند وزراء سے نہیں بلکہ لاکھوں آدمیوں پر مشتمل اقوام سے مقابلہ ہو گا کیونکہ حقوق مل جانے کی صورت میں اس قوم کا زور ہوگا جو اس وقت ملازمتوں وغیرہ پر قائم ہے خواہ وہ تھوڑی ہو اور وہ قوم دستِ نگر ہوگی جو ملازمتوں میں کم حصہ رکھتی ہے خواہ وہ زیادہ ہو اور یہ ظاہر ہے کہ چند وزراء کو قائل کر لینا آسان ہے مگر ایسی جماعت کو قائل کرنا مشکل ہے جس کی پشت پر لاکھوں اور آدمی موجود ہوں کیونکہ گو وہ قلیل التعداد ہو حکومت اور جتھا مل کر اسے کثیر التعداد لوگوں پر غلبہ دے دیتا ہے اور سیاسی ماہروں کا قول ہے کہ نہ مقید بادشاہ کی حکومت ایسی خطرناک ہوتی ہے نہ غیر ملکی قوم کی جس قدر خطرناک کہ وہ حکومت ہوتی ہے جس میں قلیل التعداد لیکن متحد قوم اکثریت پر حکمرانی کر رہی ہو کیونکہ اس کا نقصان ملک کے اکثر حصہ کو پہنچتا ہے لیکن اس کا ازالہ کوئی نہیں ہوسکتا۔ دنیا کی تاریخ کو دیکھ لو کہ ایسی حکومتیں ہمیشہ دیرپا رہی ہیں اور انہوں نے

اکثریت کو بالکل تباہ کر دیا ہے۔ ہندوستان میں ہی اچھوت اقوام کو دیکھ لو کہ ایک زبردست اکثریت سے اب وہ اقلیت میں بدل گئی ہیں اور ان کے حالات جس قدر خراب ہیں وہ بھی ظاہر ہیں۔

پس میرے نزدیک بغیر ایک ایسے فیصلہ کے جسے پبلک پر ظاہر کر دیا جائے ایسا سمجھوتہ مفید نہیں ہوسکتا کیونکہ نفع یا نقصان تو پبلک کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ممکن ہے غیر مسلم لیڈر مسلمانوں کو بعض حق دینے کے لئے تیار ہو جائیں لیکن ان کی قومیں تسلیم نہ کریں۔ پھر ایسے سمجھوتے سے کیا فائدہ۔ یا مسلمان لیڈر بعض حق چھوڑنے کا اقرار کرلیں لیکن مسلمان پبلک اس کیلئے تیار نہ ہو اور ملک کی قربانیاں رائیگاں جائیں اور فساد اور بھی بڑھ جائے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں کوئی سمجھوتہ مسلمانوں کیلئے مفید نہیں ہوسکتا جب تک وہ لاکھوں مسلمانوں کی بدحالی اور بیکاری کا علاج تجویز نہ کرتا ہو یعنی ان کی تعداد کے قریب قریب انہیں ملازمتوں اور ٹھیکوں وغیرہ میں حق نہ دلاتا ہو۔ جو سمجھوتہ اس امر کو مدنظر نہیں رکھتا وہ نہ کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ امن پیدا کرسکتا ہے۔ عوام لیڈروں کے لئے قربانی کرنے میں بے شک دلیر ہوتے ہیں لیکن جب ساری جنگ پیٹ کیلئے ہو اور پیٹ پھر بھی خالی کا خالی رہے تو عوام الناس زیادہ دیر تک صبر نہیں کر سکتے اور ان کے دلوں میں لیڈروں کے خلاف جذبۂ نفرت پیدا ہو جاتا ہے' اور ایسے فتنہ کا سدِّ باب کر دینا شروع میں ہی مفید ہوتا ہے۔

یہ میرا مختصر مشورہ مسلمانانِ کشمیر کو ہے وہ اپنے مصالح کو خوب سمجھتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں۔ میں تو اب کشمیر کمیٹی کا پریذیڈنٹ نہیں ہوں اور یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ آیا کشمیر کمیٹی کی رائے اس معاملہ میں کیا ہوگی لیکن سابق تعلقات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے مشورہ دینا مناسب سمجھا۔

عقلمند وہی ہے جو پہلے سے انجام دیکھ لے۔ میرے سامنے سمجھوتہ نہیں نہ صحیح معلوم ہے کہ کن حالات میں اور کن سے وہ سمجھوتہ کیا گیا ہے۔ میں تو اخبارات میں شائع شدہ حالات کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ اس کا سمجھوتہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں ہؤا ہے اور اس کے مطابق اب دونوں قومیں مشترکہ قربانی پر تیار ہو رہی ہیں۔ پس میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ قربانی ایک مقدس شئے ہے اور بہت بڑی ذمہ واریاں اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کو اچھی طرح سوچ لینا چاہئے کہ وہ کس امر کے لئے قربانی کرنے لگے ہیں اور یہ کہ وہ اس امر کو نباہنے کی طاقت رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور کہیں ایسا تو نہیں کہ موجودہ سمجھوتہ بجائے پریشانیوں کے کم کرنے کے

نئی پریشانیاں پیدا کر دے۔ انگریزی کی ایک مثل ہے کہ کڑاہی سے نکل کر آگ میں گرا۔ سو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ جدوجہد کا نتیجہ یہ ہے کہ سب کڑاہی سے نکل آئیں گے یا یہ کہ بعض کڑاہی سے نکل کر باہر آ جائیں گے اور بعض آگ میں گر کر بھُونے جائیں گے۔

مَیں اس موقع پر حکومت کو بھی یہ نصیحت کروں گا کہ پبلک کے مفاد کا خیال رکھنا حکومت کا اصل فرض ہے۔ اسے چاہئے کہ اپنے زور اور طاقت کو نہ دیکھے بلکہ اس کو دیکھے کہ خدا نے اسے یہ طاقت کیوں دی ہے؟ حاکم اور محکوم سب ایک ہی ملک کے رہنے والے ہیں۔ پس اگر وہ اپنی ہی رعایا کا سر کچلنے لگے تو یہ امر حکومت کی طاقت کے بڑھانے کا موجب نہیں ہوسکتا۔ جو ہاتھ دوسرے ہاتھ کو کاٹتا ہے وہ اپنی طاقت کا مظاہرہ نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی جڑ پر تبر رکھتا ہے۔ یہ اہالیانِ کشمیر ہی ہیں جو ہز ہائی نس مہاراجہ کی عزت کا موجب ہیں۔ ان کو اپنے ہمعصروں میں عزت اسی سبب سے ہے کہ ان کی رعایا میں ۳۶ لاکھ افراد ہیں اور اگر وہ افراد ذلیل ہیں تو یقیناً ان کی عزت اتنی بلند نہیں ہوسکتی جتنی بلند اس صورت میں کہ وہ افراد معزز ہوں۔ پس ادنیٰ ترین کشمیری ریاست کشمیر کی شوکت کو بڑھانے والا ہے اور وہ حُکّام جو اس کی عزت پر ہاتھ ڈالتے ہیں، اس کی عزت پر نہیں بلکہ ریاست کی عزت پر ہاتھ ڈالتے ہیں۔ اس نازک موقع پر انہیں صبر اور تحمل سے کام لینا چاہئے اور رعایا کے صحیح جذبات سے ہز ہائی نس کو آگاہ رکھنا چاہئے کہ وفاداری کا یہی تقاضا ہے، اور خیر خواہی کا یہی مطالبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہز ہائی نس کو اپنی رعایا سے رحم اور انصاف کی اور حُکّام کو دیانتداری اور ہمدردی کی اور پبلک کو سمجھ اور عقل کی توفیق دے تاکہ کشمیر جو جنت نظیر کہلاتا ہے جنت نہیں تو اپنے ان باغوں جیسا تو دلکش ہو جائے جن کی سیر کرنے کے لئے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خاکسار

میرزا محمود احمد

امام جماعت احمدیہ۔ قادیان

(ضمیمہ تاریخ احمدیت جلد ۶ صفحہ ۴۷ تا ۵۱ مطبوعہ دسمبر ۱۹۶۵ء)